ربیع الاول
میں
جوشِ محبت

وعظ

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرتِ اقدس مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

جشنِ ربیعُ الاوّل

محبّت کے آئینہ میں

وعظ

فقیہ العصر مفتیٔ اعظم حضرتِ اقدس مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

ناشر

الرشید

نام کتاب ⬅ جشن ربیع الاول محبت کے آئینہ میں

وعظ ⬅ فقیہ العصر مفتئ اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

تاریخ طبع ⬅ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

تعداد ⬅ ۲۲۰۰

مطبع ⬅ قریشی آرٹ پریس۔ فون:- ۶۶۸۶۰۸۴

ناشر ⬅ الرشید

ملنے کا پتہ

کتاب گھر السادات سینٹر بالمقابل دار الافتاء و الارشاد

ناظم آباد۔ کراچی

فون نمبر..... ۶۶۸۳۳۰۱ فیکس نمبر..... ۶۲۳۶۶۶ - ۰۲۱

فاروق اعظم کمپوزرز

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
تاریخ ولادت میں غلط فہمی	۶
تاریخ وفات میں غلط فہمی	۸
میلاد کی حقیقت	۹
ایک سوال	۱۰
صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عشق نبوی ﷺ	۱۱
صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حافظے	۱۴
قوت حافظہ کی ایک مثال	۱۵
محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا حیرت انگیز حافظہ	۱۶
اصل سبب	۱۸
سلف کا جذبۂ حفاظت دین	۱۹
آج کل کے عشاق	۲۰
ایک اعتراض اور جواب	۲۰
رسالت کا حقیقی مقصد	۲۳
اس بدعت کی ابتداء	۲۷
ایک بہت اہم بات	۲۸
بدعت میں کیا کیا مفاسد ہیں	۲۹

صفحہ	عنوان
۳۲	لمحہ فکریہ
۳۳	امتحان محبت میں کامیابی وناکامی کا معیار
۳۷	ایک حدیث کی تشریح
۴۱	آج کل کے مسلمان کی حالت
۴۲	دعاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعظ

جشن ربیع الاول محبت کے آئینہ میں

(ربیع الاول ۱۴۰۴ ہجری)

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یهده اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا اللہ وحده لاشریک له ونشهدان محمدا عبده ورسوله صلی اللہ تعالٰی علیه وعلی اٰله وصحبه اجمعین۔

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا یها النبی انا ارسلنک شاهدا ومبشرا ونذیرا ۞ وداعیا الی الله باذنه وسراجا منیرا ۞

وبشر المومنين بان لهم من الله فضلا كبيرا ۞
ولا تطع الكفرين والمنافقين ودع اذٰلهم وتوكل
على الله وكفى بالله وكيلا ۞ (۳۳ - ۴۵ تا ۴۸)
انا ارسلنك شاهدا ومبشرا ونذيرا ۞ لتؤمنوا
بالله ورسوله وتعزروه وتوقروه وتسبحوه بكرة
واصيلا ۞ ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله
يدالله فوق ايديهم فمن نكث فانما ينكث
على نفسه ومن اوفى بما عهد عليه الله
فسيؤتيه اجرا عظيما ۞ (۴۸-۸ تا ۱۰)

آج ربیع الاول کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق کہنے کی توفیق عطاء فرمائیں اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات کس تاریخ میں ہوئی۔

تاریخ ولادت میں غلط فہمی:

یہ بات جو زبان زد عوام وخواص ہو گئی ہے کہ ۱۲/ ربیع الاول تاریخ ولادت اور ۱۲/ ربیع الاول ہی تاریخ وفات ہے یہ بالکل غلط ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ ترقی کے اس زمانے میں جو ایٹم کا زمانہ کہلاتا ہے جس میں ایٹم کو بھی تقسیم کرکے آگے اس کی تقسیم در تقسیم ہو رہی ہے، پروٹان اور پھر اس کے کوار کس بھی نکال ڈالے، مگر اتنا موٹا سا حساب لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا اس سے معلوم ہوا کہ اصل تاریخ جو بھلا دی گئی اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے ورنہ اتنا ترقی یافتہ دماغ جو زہرہ اور چاند پر کمندیں ڈال رہا ہے چاند اور سورج کی حرکتوں کو ماپ رہا ہے، منٹوں سیکنڈوں اور اعشاریہ در اعشاریہ کا حساب لگانے والا یہاں آکر کیسے مات کھا گیا آپ نے دیکھا ہوگا کہ آیندہ سالوں کی جو جنتریاں شائع ہوتی ہیں کہ مثلاً یکم جنوری کو ربیع

الاول کی اتنی تاریخ ہوگی اور یکم فروری کو ربیع الاخر کی اتنی۔ سال بھر کی جنتری پہلے ہی تیار کر کے شائع کر دیتے ہیں ایک سال کیا سینکڑوں سالوں کی جنتریاں پہلے سے ہی شائع ہو رہی ہیں پھر آپ سالہاسال سے دیکھ رہے ہیں کہ چاند دیکھ کر فیصلہ کرنے اور ان حسابی فیصلوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا کبھی فرق ہوا بھی تو صرف ایک دن کا تو کیا ان لوگوں پر کوئی وحی نازل ہوتی ہے، کچھ نہیں یہ کوئی گہری بات نہیں صرف اتنی سی بات ہے کہ شمسی اور قمری سال کی آپس میں نسبت دیکھ کر ان کا حساب نکال کر ان کو آپس میں مطابقت دی بس نتیجہ سامنے آگیا، پوری دنیا کے حسابات اسی طرح چل رہے ہیں یورپ اور لندن وغیرہ کی شاہی رصد گاہوں سے اس پر کتابیں بھی شائع ہو رہی ہیں، ان حسابات کی رو سے بھی ولادت اور وفات کی یہ تاریخ کسی صورت میں نہیں بنتی بلکہ بننے کا کوئی امکان ہی نہیں اگر کوئی محاسب اس تاریخ کو حساب سے ثابت کرے تو ذرا ہمیں بھی بتادے کہ کیسے حساب لگایا ہے؟ بے شمار کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں مگر سارے کے سارے محققین اس نقطے پر متفق ہیں کہ یہ تاریخ یوم ولادت قرار پاتی ہے نہ ہی یوم وفات، یہ بالکل بدیہی اور واضح غلطی ہے، دیکھئے آج بروز جمعہ ۲۴/ ربیع الاول ہے اور ۳۰/ دسمبر، سو اگر کوئی کہے کہ ۳۱/ دسمبر ہوگی پیر کے دن تو سب اس کو بیوقوف بتائیں گے یا نہیں؟ یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ ۳۰/ تو جمعے کے دن ہو اور ۳۱/ بجائے ہفتے کے پیر کو آجائے! مگر وہ ایک رٹ لگائے جارہا ہے کہ ۳۱/ دسمبر ہوگی پیر کے دن ۳۱/ دسمبر ہوگی پیر کے دن۔

اگر پیچھے لوٹ کر گزشتہ چودہ سو سال کا حساب لگانا مشکل کام ہے تو چلئے بالکل مختصر سا حساب بتاتا ہوں اس پر پوری دنیا کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج جمعہ کے دن ۹/ ذی الحجہ کو ہوا سو اس سے ۶۳ سال پہلے کا حساب کرلیا جائے تو پیر کے دن ۱۲/ ربیع الاول کسی صورت نہیں بنتی بلکہ اس کے قریب قریب بھی نہیں بنتی صحیح حساب اگر بنتا ہے تو پہلی تاریخ کا یا دوسری کا یا آٹھویں یا نویں کا، اس لئے کہ ربیع الاول کا مہینہ اور پیر کا دن یہ دو باتیں تو مسلم ہیں اور ان دونوں کا

اجتماع ۱۲/ تاریخ کو کسی صورت ممکن نہیں البتہ مذکورہ تاریخوں میں سے کوئی سی تاریخ لے لی جائے تو حساب بن جاتا ہے پھر علامہ مغلطائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲ ربیع الاول قرار دی ہے مگر حضرت ابن عباس و جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ۸ ربیع الاول ماثور ہے اور اکثر محدثین و مؤرخین کا یہی مختار ہے۔

تاریخ وفات میں غلط فہمی:

اب لیجئے وفات کا حساب، سو یہ تو اس سے بھی زیادہ آسان ہے، ولادت میں تو ۶۳ سال پیچھے جانا پڑتا ہے اس میں صرف ۳ مہینے کا حساب ہے اور بالکل بدیہی ہے جسے عامی سا شخص بھی آسانی سے نکال لے ذی الحجہ کی نویں تاریخ جمعہ کے دن تھی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک صرف ۳ چاند بنتے ہیں محرم، صفر ربیع الاول، ان کا حساب بالکل ان پڑھ سے ان پڑھ شخص بھی نکال سکتا ہے، تینوں چاند ۲۹ کے لگالیں تو پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول نہیں بنتی۔ تینوں چاند ۳۰ کے لگالیں تو نہیں بنتی دو ۳۰ کے لگالیں ایک ۲۹ کا لگائیں تو نہیں بنتی دو ۲۹ کے لگائیں ایک ۳۰ کا لگائیں تو پیر کو ۱۲ ربیع الاول نہیں بنتی، اگر پیر کو ۱۲ بنتی ہے تو اس طرح بنتی ہے کہ دو چاند لگالیں ۳۰ کے اور ایک لگائیں ۳۱ کا، سو آپ ہی بتائیں بھلا ۳۱ کا بھی چاند ہوا ہے؟ اولاً تو ۳ چاند مسلسل ۳۰ کے ہوں یہ بھی ذرا مشکل ہے مگر پھر بھی ممکن ہے کبھی ایسا ہو جاتا ہے مگر ۳۱ کا چاند کیسے مانیں؟ اس سے ثابت ہوا کہ وفات کی تاریخ جو ۱۲ ربیع الاول مانی جاتی ہے یہ بھی بالکل غلط ہے اس کا بھی کوئی امکان نہیں۔ پھر حقیقت کیا ہے؟ صحیح احادیث اور صحیح تواریخ سے اتنا ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ابتداء ربیع الاول میں ہوئی اور پیر کے دن ہوئی شمسی اور قمری سالوں کو اگر تطبیق دیجاتی ہے یا اسی طرح ۳ چاندوں کا حساب لگایا جاتا ہے تو ربیع الاول کی ابتداء میں پیر کے دن جو تاریخیں صحیح ہو سکتی ہیں ان میں سے اکثر نے ۲ ربیع الاول کو اختیار کیا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کتب تاریخ

میں دراصل یوں لکھا تھا "ثانی شہر ربیع الاول" شہر مہینے کو کہتے ہیں یعنی ماہ ربیع الاول کی دو تاریخ مگر بعد میں کسی ناقل سے لکھنے یا پڑھنے میں غلطی ہوگئی اس نے اس کو پڑھ لیا "ثانی عشر ربیع الاول" ثانی عشر کہتے ہیں ۱۲ کو۔ اصل لفظ تھا شہر اسے عشر پڑھ لیا گیا اس طرح ۲ کا ۱۲ بن گیا اور یہ غلط بات پھیل گئی، بعض نے اختلاف مطالع کی تاویل کی ہے جو بالکل باطل ہے اس کی تفصیل احسن الفتاویٰ جلد ۹ "مسائل شتی" میں ہے۔

میلاد کی حقیقت:

دوسری بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں یہ عید میلاد النبی نہیں تھی اور اس طریقے سے جلسے جلوس نہیں نکالے جاتے تھے، ایصال ثواب کے نام سے دعوتیں نہیں اڑائی جاتی تھیں۔ آج کے مسلمان نے یہ ایصال ثواب بھی اچھا نکالا ہے ایصال کے معنی ہیں پہنچانا اور ثواب کے معنی ہیں اچھی چیز یعنی لڈو پہنچاؤ۔ مسلمان کا ایصال ثواب سارا کرا کے یہ رہ گیا کہ بس دیگیں چڑھاؤ قورے پیٹ میں اتارو مرغیاں اڑاؤ پھر ہضم کرنے کے لئے اوپر سے سوڈے کی بوتلیں چڑھاؤ، سبحان اللہ! کیا کہنا اس ایصال ثواب کا، یا اللہ! تو ہی اس قوم کو ہدایت دے، اللہ کے بندے کسی سے پوچھ لیا ہوتا کہ ایصال ثواب کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ مختصر یہ کہ ایصال ثواب کا یہ طریقہ کہ خود ہی پکاؤ اور خود ہی کھاؤ یہ ایصال ثواب نہیں شکم پرستی ہے۔ آج اس موضوع کو نہیں چھیڑتا ورنہ اصل موضوع رہ جائے گا میرا وعظ "بدعات مروجہ" اور "طریقہ تعزیت اور ایصال ثواب" پڑھ لیجئے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں اگر عید میلاد اسی طرح منائی جاتی تھی تو سوچئے پھر کیا اس کی تاریخ کے بھول جانے کا کوئی امکان تھا؟ ظاہر ہے کہ کوئی امکان نہ تھا فرض کیجئے آج کوئی ولی اللہ صاحب کرامت بزرگ اپنی کرامت سے پیش گوئی کردے کہ ۵ سال بعد بلکہ ۵ چھوڑ کر ۵۰ یا ۱۰۰ سال بعد لوگ تاریخ ولادت

یعنی ۱۲ ربیع الاول کو بھول جائیں گے تو کیا اس کی اس پیش گوئی کو صحیح سمجھا جائے گا اس پر ہر شخص یہی کہے گا کہ ناممکن ہے، تاریخ بھولنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ پوری دنیا یہ دن منا رہی ہے ہر شہر میں ہر محلے میں گلی کوچوں میں اتنے ہنگامے اتنے شور ریڈیو اور ٹی وی پروگرام الگ، جن میں گانے والے مردوں سے زیادہ گانے والی عورتیں رات دن گا گا کر سنا رہی ہیں آخر یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ یہ تاریخ آیندہ بھلادی جائے؟ دنیا سے اوجھل ہو جائے؟ کوئی عقل مند یہ بات باور کرنے کو تیار نہ ہو گا۔ سوچئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں بھی صورت حال اگر یہی ہوتی اسی کیفیت سے جلسے جلوس دعوتیں ہوتیں میلاد پڑھی جاتی تو یہ تاریخ کوئی بھول کیسے سکتا تھا؟ اصل تاریخ میں تحریف کیسے ہوتی اختلاف کیسے پڑتا؟ اتنی بات تو یقینی ہے کہ یہ تاریخ اصل تاریخ نہیں اس میں تحریف ہو چکی ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ سارے ہنگامے جو آج ہو رہے ہیں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں نہ تھے۔ اس وقت ان کا کوئی اتا پتا نہ تھا یہ ساری خرافات بہت بعد کی پیداوار ہیں، اصل تاریخ کا بھول جانا اس کی واضح دلیل ہے اس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی، یہ دو باتیں ہو گئیں۔

ایک سوال:

تیسری بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ تاریخ کیوں بھول گئے، جب یہ ثابت ہو چکا کہ ۱۲ اصل تاریخ نہیں اور اصل تاریخ کے متعلق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کوئی ثبوت نہیں تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس سے کیسے غافل رہے؟ انہوں نے اس بات کو کیسے نظر انداز کر دیا سوچئے ذرا غور کیجئے کیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت میں کوئی کمی تھی؟ یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا بلکہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کے بارے میں بلا تردد دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جب سے دنیا پیدا

ہوئی اس وقت سے لے کر جب تک دنیا باقی رہے گی پوری تاریخ میں محبت کی ایسی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جتنی محبت تھی جتنا عشق تھا اس کی نظیر دنیا نے اب تک پیش کی ہے نہ آیندہ کبھی پیش کرسکتی ہے، دنیا میں کسی کو کسی کے ساتھ اتنی محبت ہو ہی نہیں سکتی ممکن ہی نہیں اپنی جانیں، اولاد، اپنے اموال، اپنی تجارتیں اور وطن غرض سب کچھ جو ان حضرات کے بس میں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کردیا پھر یہ تو ان حضرات کے سامنے ادنیٰ سی بات تھی۔ یہ سب کچھ کرگزرنے کے باوجود اپنی ان بے مثال قربانیوں کو کچھ اہمیت بھی نہ دیتے تھے، یہ تھی ان حضرات کی محبت، دو تین قصے بھی سنادوں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عشق نبوی ﷺ

پہلی مثال:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار دیکھا کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرمارہے ہیں سالن میں گوشت اور لوکی کے ٹکڑے ہیں دونوں کا ملا ہوا سالن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے دوران پیالے میں لوکی کے ٹکڑے تلاش کرکر کے تناول فرمارہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز سے مجھے لوکی کے ساتھ محبت ہوگئی (ابوداؤد)

کہنے میں یہ تو آسان سی بات ہے مگر اس پر ذرا غور کیجئے یہ نہیں فرماتے کہ اس روز سے میں نے لوکی کھانا شروع کردی بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ لوکی کے ساتھ محبت ہوگئی کھانے کی چیز کسی کو مرغوب ہونا پسند ہونا یہ ایک طبعی چیز ہے دل کا ذوق ہے جو دوسرے کے کھانے سے یا پسند کرنے سے بدل نہیں سکتا مگر صحابیٔ رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کا ذوق بدل گیا اندر کی کیفیت تبدیل ہو گئی، کیا دنیا محبت کی ایسی انوکھی مثال پیش کر سکتی ہے کہ کوئی محب اپنے محبوب کو ایک چیز صرف کھاتے ہوئے دیکھ لے اور اس کے اندر کا طبعی ذوق بدل جائے؟ کبھی نہیں، مگر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوکی تناول فرماتے دیکھا بس اسی وقت سے لوکی مجھے مرغوب ہو گئی محبوب کی ادا دیکھ کر اندر کی کیفیت فوراً بدل گئی دل کے اندر ہی اندر انقلاب برپا ہو گیا، ذرا سوچئے اس کو یہ کتنا بڑا انقلاب ہے۔

دوسری مثال:

حضرت معاویہ بن قرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان مبارک کے بٹن کھلے ہوئے تھے یہ قصہ سن کر حضرت معاویہ اور آپ کے صاحبزادے کو یہ ادا ایسی پسند آئی کہ دونوں نے عمر بھر اپنا گریبان کھلا رکھا کبھی بٹن بند کئے ہی نہیں (ابوداؤد)

حالانکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ نہ تھی اس وقت اتفاق سے گریبان مبارک کھلا ہوا تھا مگر انہوں نے خاص نظر جو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی تو نظر پڑتے ہی یہ خاص کیفیت ایسی پسند آئی کہ مرتے دم تک اسے نہ چھوڑا عمر بھر بٹن نہیں لگائے۔

تیسری مثال:

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی بچے تھے مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو دیکھا کہ کفار کے چند بچے کھڑے

ہو کر مسلمانوں کی اذان کی نقل اتار رہے ہیں بچوں کا کیا ان کو تو ایک کھیل ہاتھ آگیا اللہ تعالیٰ جب کسی کی ہدایت کا سامان فرماتے ہیں تو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں ہدایت کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔ دیکھئے ان کی ہدایت کا کیا سامان ہو رہا ہے کہ نقل اتارتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا بچے تو اور بھی بہت تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کیسے اذان دے رہے تھے ذرا سناؤ انہوں نے اذان شروع کی اللہ اکبر تو بلند آواز کے ساتھ چار بار کہہ دیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے قائل تو کفار بھی تھے لیکن اس کے بعد جب شہادت کی بات آئی توحید و رسالت کی شہادت۔ اب یہ ڈر گئے کہ یہ کلمات کیسے ادا کروں؟ کہیں اعزہ واقارب نے دیکھ لیا یا آواز سن لی تو پٹائی ہوجائے گی، اس لئے شہادتین کے کلمات کہہ تو دیئے مگر بالکل آہستہ دھیمی آواز سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے سر پر رکھا اور فرمایا بلند آواز سے کہو، بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک رکھنا تھا کہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگئے اور بلند آواز کے ساتھ یہ کلمات پھر دہرائے، اب ان کا عشق دیکھئے انہوں نے کیا کیا؟ ایک تو یہ کہ اگرچہ اذان کی حقیقت یہی ہے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمدا رسول اللہ دو دو بار کہے جائیں اور شروع ہی سے بلند آواز کے ساتھ کہے جائیں مگر انہوں نے یہ سوچ کر کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا کیا معاملہ ہوا تھا کہ پہلے یہ کلمات آہستہ آواز سے کہے تھے پھر بلند آواز سے دہرائے بس عمر بھر یہی معمول جاری رکھا، جب بھی اذان دیتے پہلے شہادتین دبی آواز سے پھر بلند آواز سے۔ (ابوداؤد، نسائی)

ایک کام تو یہ کیا اور دوسرا کام یہ کیا، ذرا دلوں پر ہاتھ رکھ کر یہ بات سنئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سر پر ایک بار ہاتھ رکھدیا تو انہوں نے پھر عمر بھر سر کے بال نہیں منڈوائے[1] کہ یہ وہ بال ہیں جن پر میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابوداؤد۔

کا ہاتھ پھر گیا، یہ تھی ان حضرات کی محبت کہ جن بالوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بار ہاتھ پھر گیا عمر بھر ان بالوں کی حفاظت کی اور آج عشق نبوی کا مدعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صورت اختیار کرنے کو تیار نہیں چہرے پر روز اٹھ کر پھاوڑا چلاتا ہے۔ ذرا سوچئے غور کیجئے یا اللہ! تو ایسی محبت عطاء فرما کہ تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ سے محبت ہو جائے اور ایسی محبت ہو جائے کہ ساری دنیا طعن کرتی رہے مذاق اڑاتی رہے مگر یہ کسی کی پروانہ کرے، یہ بات تو درمیان میں آگئی محبت کے واقعات پھر کبھی سناؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ واقعات بھی اس لئے بتائے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو ولادت و وفات کی تاریخ بھول گئے تو کیا اس کا سبب ان کی محبت میں کمی تھا؟ کبھی نہیں یہ بات تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا، پھر دوسری وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کیا حافظے ان کے کمزور تھے؟ آج تو لوگوں کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ فجر کی نماز میں کون سی سورت پڑھی گئی، امام کو ہی یاد نہیں رہتا دوسروں کی کیا بات، خیر فجر کی بات تو دور رہی ابھی مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو کر ایک دوسرے سے ذرا پوچھ لیں کہ کون سی رکعت میں کیا پڑھا گیا؟ شاید کسی کو یاد نہیں ہوگا، ہاں اگر مسلمان سے یہ پوچھا جائے کہ فلاں میلاد میں کیا ہوا تھا کون کون سے کھانے تھے؟ تو شاید گزشتہ سال کے بھی فرفر سنا دے، ایسی باتیں نہیں بھولتا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حافظے

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حافظے کمزور نہیں تھے عشق و محبت کی مانند ان کے حافظے ان کی قوت یادداشت بھی ضرب المثل تھی۔

قوت حافظہ کی ایک مثال:

حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا قصہ معلوم کرنے دو شخص آئے، ایک نے کہا انہوں نے بالکل بچپن میں مجھے دیکھا تھا اب ذرا ان کے حافظے کا امتحان لیں کہ پہچان لیتے ہیں یا نہیں؟ اس نے اپنا چہرہ اور پورا جسم خوب اچھی طرح چھپالیا، صرف آنکھیں اور پاؤں کھلے تھے، حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ انہوں نے پاؤں پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب میں غلام تھا تو میرے آقا کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تھا میرے آقا نے حکم دیا تھا کہ اس بچے کو اٹھا کر لیجاؤ، اور فلاں دودھ پلانے والی انا کو دے آؤ، اس زمانے میں یہی رواج تھا مائیں خود دودھ نہیں پلاتی تھیں۔

فرمایا آپ کے پاؤں اس بچے کے پاؤں سے ملتے جلتے ہیں، اور وہ واقعۃً وہی بچہ تھا، اندازہ لگایئے کیا حافظہ تھا، اس میں پہلی بات یہ ہے کہ جب بچہ دودھ پلانے کے لئے انا کے حوالے کیا جاتا ہے تو اس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، چند گھنٹے تک بغیر خوراک کے رکھا جائے تو زندہ ہی نہیں رہ سکتا، اس بچے کی عمر بھی چند گھنٹوں سے زائد نہیں ہوگی، دوسری بات یہ کہ ایسے وقت بچے کا چہرہ دیکھا جاتا ہے پاؤں کو کوئی نہیں دیکھتا اور چہرے کو بھی اس توجہ اور انہماک سے کون دیکھے گا کہ مدت کے بعد میرا امتحان لیا جائے گا، اس لئے اس صورت کو خوب غور سے دیکھ کر اس کو یاد رکھوں، ایسے وقت چہرہ ایک سرسری نظر سے دیکھا جاتا ہے پاؤں تو اور زیادہ سرسری نظر سے دیکھے جائیں گے، مگر ان سب باتوں کے باوجود حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نقاب پوش نوجوان کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ وہی شیر خوار بچہ ہے جو میں نے اٹھایا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا چادر بچھاؤ میں نے چادر بچھادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کچھ پڑھ کر اس پر دم کیا اور فرمایا کہ اس کو سینے سے لگالو، میں نے سینے سے لگالی اس وقت سے کوئی ایسی بات جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی نہیں بھولا (متفق علیہ)

محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا حیرت انگیز حافظہ

اب آگے حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حافظوں کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد جنہوں نے دین کی حفاظت کی۔

پہلی مثال:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ تشریف لے گئے ابھی بالکل نوعمر تھے لیکن شہرت ہو چکی تھی، وہاں کے محدثین کو خیال ہوا کہ ان کا امتحان لیا جائے چنانچہ دس محدثین نے دس دس حدیثیں اس طرح یاد کیں کہ ہر حدیث کی سند اور متن کو کسی دوسری حدیث کی سند اور متن کے ساتھ خلط ملط کر دیا، سند ایک کی متن دوسری کا اسی طرح ایک ٹکڑا ایک حدیث کا دوسرا ٹکڑا دوسری حدیث کا، اس طرح سے حدیثوں میں قطع و برید کر کے ایک ایک شخص نے دس دس حدیثیں یاد کیں اور آکر بیٹھ گئے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا امتحان لینے۔ پہلی حدیث پڑھی تو آپ نے فرمایا لاادری مجھے معلوم نہیں، دوسری پڑھی تو بھی لاادری میں نہیں جانتا، تیسری چوتھی پانچویں غرض آخر تک ہر حدیث کے جواب میں یہی فرماتے رہے کہ لاادری میں نہیں جانتا، حاضرین سب حیران کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ہر حدیث کے جواب میں لاادری لاادری گو کہ نوعمر تھے مگر قوت حافظہ اور حدیث دانی کی دھاک تو دنیا پر بیٹھ چکی تھی اور اسی لئے تو اتنا بڑا اجتماع ہوا، لوگ تو اس جواب سے تشویش میں پڑ گئے مگر وہ ممتحن حضرات سمجھ رہے تھے کہ کامل ہیں، ان کا یہ جواب کم

علمی کی دلیل نہیں بلکہ کمال کی دلیل ہے ہم تو خلط ملط کر کے پوچھ رہے ہیں جو واقعی حدیث نہیں لہٰذا ان غلط احادیث کے متعلق لاادری کہنا بالکل بجاہے، جب یہ دس محدثین فارغ ہو گئے اور ان کی سو احادیث پڑھی جاچکیں تو آپ نے فرمایا سنو اب میں پڑھتا ہوں۔ سو کی سو احادیث صحیح سند اور صحیح متن کے ساتھ سنادیں۔ مورخین فرماتے ہیں سو احادیث پڑھ دینا امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کمال نہیں بھلا جس کو لاکھوں حدیثیں ازبر ہوں وہ سو حدیثیں سنادے تو کیا کمال ہے؟ کمال یہ کہ جس ترتیب سے ان محدثین نے سو حدیثیں پڑھی تھیں اسی ترتیب سے سنادیں، اسی مجلس میں ایک بار سن کر سو حدیثوں کی ترتیب یاد ہو گئی چنانچہ اسی ترتیب سے سنادیں پہلے محدث کی دس حدیثیں پہلے سنادیں ترتیب وار، دوسرے کی اس کے بعد ترتیب وار تیسرے کی اس کے بعد آخر تک۔ بتائیے ایسا غضب کا حافظہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ آج دنیا اس کی نظیر پیش کر سکتی ہے؟

دوسری مثال:

ایک محدث فرماتے ہیں میں نے سو حج کئے ہیں اور ہر حج الگ اونٹ پر کیا ہے ان سو اونٹوں میں سے جو اونٹ بھی میرے سامنے لایا جائے دیکھ کر بتادوں گا کہ اس اونٹ پر میں نے فلاں سال حج کیا تھا ان کو سو اونٹوں کا صرف حلیہ ہی یاد نہیں رہا بلکہ یہ تفصیل بھی یاد رہی کہ اس اونٹ پر کس سال حج کیا تھا اور اس پر کس سال، اس طرح سو اونٹوں میں سے ہر ایک پر حج کرنے کا سال بھی یاد۔

تیسری مثال:

آخر میں حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ بھی سن لیجئے۔ آخر عمر میں آپ کی نظر جاتی رہی تھی نابینا ہو گئے تھے، ایک بار اونٹ پر سوار ہیں کہیں جارہے

ہیں راستے میں جاتے ہوئے اچانک ایک جگہ سر جھکا دیا، خادم نے پوچھا حضور یہ کیا بات ہے سر کیوں جھکا دیا؟ فرمایا یہاں ایک درخت ہے اس کی شاخیں جھکی ہوئی ہیں سواری پر جب کوئی گزرتا ہے اس کے سر پر لگتی ہیں اس لئے میں نے سر جھکا دیا۔ خادم نے عرض کیا حضرت اس جگہ تو قریب بھی کوئی درخت نظر نہیں آرہا چہ جائیکہ یہاں ہو، فرمایا یہیں ٹھہر جاؤ اونٹ سے اتر گئے اور فرمایا قریب کے گاؤں میں جاکر تحقیق کرو اگر ثابت ہو جائے کہ کسی وقت یہاں ایسا درخت تھا تو درست ہے ورنہ میرا خیال اگر غلط ہے تو آئندہ کے لئے حدیث بیان کرنا چھوڑ دوں گا کہ میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے حافظے میں فرق آجائے تو حدیث بیان کرنا جائز نہیں، چنانچہ وہ خادم قریب کی آبادی میں گیا اور تحقیق کی تو بڑے بوڑھوں نے بتایا کہ واقعی یہاں ایسا درخت تھا کسی زمانے میں مگر سالہا سال گزر گئے وہ تو کٹ چکا اس کا نام ونشان بھی نہیں رہا۔ یہ حافظے تھے ان حضرات کے۔ نظر نہیں آرہا مگر چلتے چلتے ٹھیک اسی جگہ جھک جاتے ہیں جہاں درخت تھا۔ یہ چند مثالیں دیدیں۔

بات یہ چل رہی تھی کہ کیا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حافظے کمزور تھے جس کی وجہ سے ولادت و وفات کی تاریخ بھول گئے ایسی بات تو نہیں اور یہ بھی نہیں کہ ان کی محبت میں کمی تھی پھر آخر بات کیا ہے بھول کیوں گئے؟

اصل سبب:

اصل وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سب سے زیادہ جس چیز کی حفاظت کا اہتمام فرمایا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ احکام تھے اس لئے کہ بعثت کا حقیقی مقصد ہی دین و شریعت کے احکام ہیں، مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی رضا حاصل کرنے کے طریقے بتانا ان کو جہنم کی گہرائیوں سے نکال کر جنت کے محلات میں پہنچانا اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا۔ اس کی تفصیل آگے چل کر بتاؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سلف کا جذبۂ حفاظت دین:

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سب سے زیادہ جس چیز کے یاد رکھنے پر زور دیا ہر قیمت پر جس کی حفاظت کی اور تمام جزئیات کو محفوظ کیا اور امت تک پہنچایا وہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ذخیرہ پہلے یہ بات سینوں میں محفوظ رکھی پھر جہاں حافظوں میں فرق اور ضعف محسوس کیا تو تحریر وکتابت کے ذریعے حدیث کی تدوین شروع کی ۹۹ہجری میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بیڑا اٹھایا اس وقت سے احادیث کتب میں محفوظ کردی گئیں، اس معاملے میں ان حضرات کی دیانت واحتیاط اور احادیث کی صحت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ آج سے تقریباً سو سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مبارک خطوط جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار بادشاہوں کو تحریر فرمائے تھے وہ اصل خطوط دستیاب ہوگئے ان اصل خطوط کے جو فوٹو شائع ہوئے تو ان میں اور محدثین جو کتب حدیث میں یہ خطوط درج کرگئے ان میں ایک حرف کا بھی فرق نہ نکلا۔ چودہ سو سال گزرنے پر بھی احادیث جوں کی توں محفوظ ہیں ایک حرف کا فرق بھی نظر نہ آیا۔ یہود ونصاریٰ نے تو آسمانی کتابوں میں ایسی تحریف کی ان کا حلیہ ایسا بگاڑا کہ حقیقت کا پتا لگانا ناممکن ہوگیا مگر یہاں قرآن کریم تو الگ رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی حفاظت کا یہ عالم کہ اب تک ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توجہ کا مرکز وہ احادیث رہیں جن میں احکام شرعیہ بتائے گئے ہیں، سب سے زیادہ ان کی حفاظت کی، پھر دوسرے درجے میں وہ احادیث جن سے احکام شرعیہ پر عمل کرنا آسان ہوجائے، جیسے جنت وجہنم کا ذکر، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں اور نافرمانوں کے حالات، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور احسانات کا بیان، محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات، کمالات اور حسن وجمال کا ذکر ان چیزوں کی معرفت سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے اطاعت پیدا ہوتی ہے

معصیت اور نافرمانیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ سب سے آخری درجے میں وہ چیزیں بیان کیں جو محض محبت پر مبنی ہیں، محبوب کے حالات میں سے ہر حالت معلوم کرنے کا شوق ہوتا ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات کی تاریخ، آپ کو نبوت کتنی عمر میں ملی، نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں کتنے سال قیام فرمایا اور پھر مدینہ منورہ میں کتنے سال۔ فلاں فلاں سفر میں کہاں کہاں قیام فرمایا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عشق ومحبت کا یہ حال کہ یہاں تک بھی بتادیا کہ آخر عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک میں سفید بال کتنے تھے۔ یہ سب کچھ ان سے محبت نے کرایا ایک تو یہ حضرات تھے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حالت کو اس درجہ احتیاط واستیعاب کے ساتھ محفوظ کر رہے ہیں۔

آج کل کے عشاق:

آج بھی عشق ومحبت کے دعویداروں کی کمی نہیں مگر حالت یہ ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صورت سے بھی وحشت اور نفرت، ایسے دلوں میں ایمان کیسے رہ سکتا ہے؟

ایک اعتراض اور جواب:

ہاں آگے یہ سؤال ہوتا ہے کہ اگر ولادت اور وفات کی تاریخ کے ساتھ کوئی شرعی حکم وابستہ نہیں تھا کہ ان کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا جاتا تو تقاضائے محبت سے ہی محفوظ کرلیتے کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فلاں تاریخ میں پیدا ہوئے، دنیا میں تشریف لائے اور فلاں تاریخ کو رحلت فرمائی، ایسا کیوں نہ کیا؟ سنئے! اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جان بوجھ کر ولادت اور وفات کی تاریخ کا ذکر نہیں فرمایا یا یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی بھلوا

دیا اور اس میں بڑی حکمت پنہاں ہے وہ یہ کہ ولادت پر بدعات و خرافات کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور وفات پر رونے دھونے کا سلسلہ۔ ظاہر ہے دونوں چیزیں شریعت کے خلاف ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں تاریخیں بھلوا کر ان بدعات کی جڑ ہی کاٹ دی اور یہ توجیہ کچھ مستبعد نہیں اس کی ایک دوسری مثال ہمارے سامنے ہے کہ بیعت رضوان جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لقد رضی الله عن المومنين اذيبا يعونك تحت الشجرة فعلم مافی قلوبهم ·فانزل السكينة عليهم واثابهم فتحا قريبا﴾

(۴۸-۱۸)

"بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اطمینان پیدا کر دیا۔ اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دیدی"۔

ظاہر ہے یہ بیعت جس درخت کے نیچے ہوئی وہ بڑا مبارک درخت تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے ہی سال یہ درخت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذہنوں سے نکلوا دیا انہیں بھلوا دیا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں دوسرے سال ہم نے اس کو تلاش کیا بہت تلاش کیا مگر اس کا کوئی پتا نہ چلا، اللہ تعالیٰ نے ذہنوں سے بالکل بھلوا دیا کہ آنے والے لوگ کہیں اس کی پوجا پاٹ نہ شروع کر دیں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تو ہزار کوشش کے باوجود نہ ملا مگر لوگ کہاں چھوڑتے ہیں کسی ایک درخت کو پکڑ ہی لیا اور مشہور کیا کہ یہی ہے وہ مبارک درخت۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ درخت فوراً کٹوا دیا اور فرمایا یہ وہ درخت تو ہے نہیں مگر تم لوگوں نے وہی قرار دیا اس لئے لو ہم اس کو بھی جڑ سے اکھاڑ دیتے

ہیں۔ آج اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے تو ان جلسے جلوس کرنے والوں کو مار مار کر مار مار کر ایسا سیدھا کرتے کہ آیندہ یہ لوگ کبھی قیامت تک پھر نام نہ لیتے یااللہ! اب بھی کوئی عمر پیدا فرمادے، ایسے مواقع پر ہم نیت کا ثواب حاصل کرتے رہتے ہیں اگر ہمیں مل گئی حکومت تو ان شاء اللہ تعالیٰ مار مار کر ان لوگوں کا دماغ درست کریں گے۔[1]

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذہنوں کو اس طرف متوجہ ہونے ہی نہ دیا کہ اس تاریخ کو یاد رکھیں اور کسی کو اگر یاد تھی بھی تو بھلوا دی اور اس میں حکمت و مصلحت ظاہر ہے کہ اگر صحیح تاریخ محفوظ ہوتی تو لوگ جو خرافات کرتے بدعات کرتے اسی مبارک تاریخ میں کرتے مگر اس کے باوجود مسلمان کہاں باز آتا ہے، کہاں ہاتھ سے جانے دیتا ہے جلسے جلوسوں کی رونق کو، حلوے اور قورمے کی لذت کو، ایصال ثواب کے سنہری مواقع کو، اس نے سوچا اگر ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ نہیں ملتی تو نہ ملے کسی کو تو پکڑ ہی لو، آخر ۱۲ کو پکڑ لیا اور ہنگامے شروع کردیئے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم تو دیکھئے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخیں ان خرافات سے بچالیں ولادت کی صحیح تاریخ تھی ۸ مگر یہ میلاد منا رہے ہیں ۱۲ کو، ان کو جتنا بھی کوئی سمجھائے کبھی باز نہیں آئیں گے، غلطی پر ہی اڑے رہیں گے۔ میں نے یہ صحیح تاریخ اس لئے بتادی کہ مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس تاریخ میں کوئی ہنگامہ نہیں کرے گا، اگر یہ خطرہ ہوتا کہ اس میں بھی کوئی کرنے لگے گا تو میں نہ بتاتا۔ لوگوں نے ولادت کے اصل مقصد کو سمجھنے کی بجائے اس تاریخ میں ہنگامے شروع کردیئے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت اقدس دامت برکاتہم کی یہ دعاء بہت جلد قبول فرمائی اور بے دینوں کی سرکوبی کے لئے افغانستان میں امیر المؤمنین ملا عمر پیدا فرمادیئے۔ (جامع)

رسالت کا حقیقی مقصد:

میں نے بیان کے شروع میں قران کریم کی جو آیات پڑھی ہیں ان میں پہلی چار آیات سورۂ احزاب کی ہیں اور ان کے بعد تین آیات سورۂ فتح کی ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بیان فرمایا ہے، اس لئے بقدر ضرورت مختصراً ان کی کچھ تشریح کرتا ہوں۔

یا یھا النبی: نبی کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام بتانے والا، اس میں تنبیہ فرمادی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی اطاعت فرض ہے۔

انا ارسلناک: بلاشبہہ آپ کو ہم نے بھیجا ہے، یعنی یہ بات محقق، یقینی اور پکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد واجب التعمیل ہے، کسی بات میں بھی آپ کی نافرمانی جائز نہیں۔

شاھدا: ہم نے آپ کو عام انسانوں کی صورت میں اس طرح بھیجا ہے کہ آپ کے سب حالات ان کے آنکھوں کے سامنے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کوئی لکھی لکھائی کتاب نازل فرمادیتے، جیسے کہ مشرکین اس کا مطالبہ بھی کر رہے تھے، تو لوگ اس کتاب کے سمجھنے میں اختلاف کرتے، اس لئے رسول پر کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ اس کی تشریح کرکے امت کو سمجھائے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ویعلمھم الکتاب والحکمۃ﴾ (۲ - ۱۲۹)

"اور ان کو کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم

ولعلھم یتفکرون ﴾ (۱۶ - ۴۴)

"اور آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کردیں اور تاکہ وہ فکر کیا کریں۔"

مشرکین کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مطالبہ بھی پورا فرمایا، اس لئے کہ لوگ یوں کہتے کہ فرشتے کا اتباع ہمارے بس کی بات نہیں، وہ تو لوازم بشریت نہیں رکھتا، اس کو کھانے پینے، سونے اور بول وبراز کی حاجت نہیں، کمانے کی ضرورت نہیں، بیوی بچے نہیں رکھتا، تھکتا نہیں، اس میں قوۃ شہوانیہ وقوۃ غضبیہ نہیں، گناہوں کے تقاضے ہی اس میں نہیں، ہمارے اندر تو یہ سب لوازم موجود ہیں، ہم فرشتے کا اتباع کیسے کرسکتے ہیں؟

لوگوں کی اس حجت کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی بجائے بشر کو رسول بنا کر بھیجا، ان تمام لوازم بشریت کے ساتھ جو عام انسانوں کے ساتھ ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ یہ کہ عام انسانوں کی ایک بیوی یا زیادہ سے زیادہ چار بیویاں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں، غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں صفت "شاھد" لانے سے بھی مقصد رسالت بتانا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واحوال سے احکام الٰہیہ معلوم کرے ان کا اتباع کیا جائے۔

ومبشرا ونذیرا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم احکام الٰہیہ کا اتباع کرنے والوں کو دنیا وآخرت کی فلاح وبہبود کی بشارت دینے والے ہیں اور نافرمانوں کو دنیا وآخرت کی رسوائی اور عذاب سے ڈرانے والے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی اور واضح حکم ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے عذاب سے ڈراتے رہنا فرض ہے، صرف فضائل پر عمل کرنا اور ان ہی کی تبلیغ پر اکتفاء کرنا کافی نہیں، ہر قسم کے گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کی کوشش میں لگے رہنا

فرض ہے، اس میں غفلت کرنے والوں کے بارے میں قرآن وحدیث میں بہت سخت وعیدیں آئی ہیں جن کی تفصیل بتاتا ہوں۔

آگے کی آیات میں بیان فرمودہ صفات میں بھی مقصد رسالت یہی بتایا گیا ہے کہ احکام الٰہیہ کا اتباع کیا جائے۔

فلا تطع الکافرین..... وکیلا: اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روکنے پر لوگ مخالفت کریں گے، دشمن ہو جائیں گے، طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں گے، آپ ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کریں، منکرات اور نافرمانیوں سے روکنے کی تبلیغ کے فرض کو ہرگز نہ چھوڑیں، ان کی مخالفت اور عداوت سے ہرگز نہ ڈریں، اللہ پر توکل رکھیں اور منکرات کو چھوڑنے کی تبلیغ کا فرض اداء کرتے رہیں، اس میں کوتاہی کی ہرگز اجازت نہیں، اس کے بعد سورۂ فتح کی آیات:

انا ارسلناک..... اصیلا: ان میں بھی مقصد رسالت یہی بتایا گیا ہے کہ احکام الٰہیہ کا اتباع کریں۔

آخری آیت:

ان الذین..... عظیما: اس میں مقصد رسالت یوں بیان فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، پھر اس کے نتیجے سے خبردار فرمایا کہ نافرمانوں کے لئے دنیا وآخرت کی رسوائی ہے اور فرمانبرداروں کے لئے دونوں جہانوں کی کامیابی۔

حاصل یہ کہ بعثت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کا اتباع کیا جائے اور سچی محبت کا معیار اور کسوٹی یہی ہے کہ محبوب کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے اور ہر نافرمانی سے بچا جائے، چھوٹی سے چھوٹی نافرمانی بلکہ اس کے تصور سے بھی شرم آئے۔

سچی محبت کیسی ہوتی ہے اس پر ایک قصہ سنئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ استقبال کے لئے روز نکلتے اور انتظار کرکے واپس ہوجاتے چھوٹی بچیاں بھی گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر روزانہ دیکھتی رہتیں، کئی دن انتظار کے بعد جب نظر پڑی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سمیت تشریف لارہے ہیں اس وقت بچیوں نے کچھ اشعار پڑھے، یااللہ! ان بچیوں کے دلوں کی کیفیت کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطاء فرما۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

یہ معصوم بچیاں بھی سمجھتی تھیں کہ ولادت کا مقصد کیا ہے کہتی ہیں اے ''ثنیات الوداع'' کی طرف سے ابھرنے والے چودھویں کے چاند۔ اس پہاڑ کا نام ''ثنیات الوداع'' تھا اس لئے کہ لوگوں کو یہیں سے وداع کیا جاتا تھا۔

وجب الشکر .... قیامت تک ہماری گردنیں شکر سے جھکی ہوئی ہیں، مگر شکر کیسے اداء کریں گے؟ شکر کھاکر نہیں، آجکل مٹھائیاں کھاکر شکر اداء کرتے ہیں یہ شکر نہیں، شکر کیسے اداء کیا جاتا ہے۔

ایھا المبعوث .... اے وہ ذات جو ہماری ہدایت کے لئے ہم میں مبعوث کی گئی تیرے امر کی اطاعت کی جائے گی، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کا جو حکم ہوگا ہم اسے بجالائیں گے، دل وجان سے اطاعت کریں گے۔ یہ ان بچیوں کے جذبات تھے، وہ خوب سمجھتی تھیں کہ رسالت کا مقصد رسول کی اطاعت ہے، یا اللہ! ان بچیوں کے دل میں جو محبت تھی، جو جوش اطاعت تھا ہمیں بھی وہ محبت عطاء فرما وہ جوش اطاعت عطاء فرما۔ محبت پر ایک دعاء یاد آئی جو پہلے بھی ہمیشہ بتاتا رہتا ہوں مگر ابھی اللہ تعالٰی نے اس کا ایک عجیب مطلب دل میں ڈال دیا:

﴿اللھم ارزقنا حبک وحب من یحبک وحب

عمل یقرب الی حبک" (ترمذی، مستدرک)

یااللہ! ہم سب کو اپنی محبت عطاء فرما، اپنی محبت والوں کی محبت عطاء فرما، اور ایسے اعمال کی محبت عطاء فرما جو تیری محبت سے قریب کردیں۔ دوسرے جملے کے ظاہری معنی تو ہیں اہل محبت کے ساتھ محبت عطاء فرما، مگر میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ مطلب ڈالا کہ یااللہ اہل محبت کے دلوں میں جو تو نے محبت بھردی ہے اپنی وہ محبت ہمیں بھی عطاء فرما، عربی الفاظ میں اس معنی کی بھی گنجائش ہے۔

اب تک تین چیزوں کا بیان ہوا پھر دہرا لیجئے:

1. ۱۲/ ربیع الاول کی تاریخ نہ تاریخ ولادت ہے نہ تاریخ وفات۔
2. صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں ہنگامے نہیں تھے، اگر ہوتے تو صحیح تاریخ کا بھولنا ممکن نہ ہوتا۔
3. صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے صحیح تاریخ اس خطرے کے پیش نظر محفوظ نہ فرمائی کہ لوگ اس میں بدعات و خرافات کے ہنگامے کریں گے۔

اس بدعت کی ابتداء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ بلکہ ان کے بعد بھی چھ سو سال تک دنیا میں کہیں بھی اس بدعت کا کوئی نام ونشان نہیں تھا، ساتویں صدی ۶۰۴ ہجری میں ایک بہت بڑا بے دین اور عیاش بادشاہ مظفر الدین کوکری بن اربل گزرا ہے، اس نے اپنی عیاشیوں اور بدمستیوں کو تادیر قائم رکھنے کے لئے اپنی حکومت کو طول دینا ضروری سمجھا تو رعایا کو اپنی طرف مائل کرنے، اپنی عظمت قلوب میں بٹھانے اور دین سے لگاؤ کا تأثر دینے کے لئے کوئی دینی ڈھونگ رچانے کو بہترین حربہ خیال کیا، چنانچہ اس نے ربیع الاول میں جشن میلاد اور مجلس میلاد کی بدعت ایجاد کرنے کا منصوبہ بنایا۔

اس مقصد میں پوری طرح کامیابی کے لئے اس مکار وچالاک بادشاہ نے ایک زبردست تدبیر اختیار کی، وہ یہ کہ بیت المال کے خزانہ سے طبقہ علماء سوء کو خریدنے کی کوشش کی جو ہمیشہ دین بیچ کر دنیا کھانے کے لئے منہ پھاڑے بیٹھے رہتے ہیں۔

چنانچہ اس طبقہ کے ایک مکار وکذاب، ائمہ مجتہدین وعلماء سلف کی شان میں بہت سخت گستاخی کرنے والے، فحش گو، متکبر اور دنیا پرست مولوی عمر بن دحیہ ابوالخطاب نے اس بدعت کے جواز کے لئے مواد اکٹھا کرنے کا کارنامہ انجام دیا اور ہوس پرستی میں اپنے مقتدیٰ سے ایک ہزار دینار کا صلہ پایا۔

(تاریخ ابن خلکان، دول الاسلام للذہبی، لسان المیزان لابن حجر)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ؎

وهل افسد الدين الا الملوك
واحبار سوء ورهبانها

”ہوس پرست بادشاہوں، دنیا پرست مولویوں اور جاہل صوفیوں نے مل کر دین کو تباہ کیا“۔

اب ایک بہت اہم بات اور سنئے۔

ایک بہت اہم بات:

سوچنے کی بات ہے کہ یہ چیزیں جب نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوئیں، نہ صحابۂ کرام کے دور میں، نہ ائمہ مجتہدین کے وقت میں پھر لوگ کیوں کرتے ہیں؟ آخر ایسا کام کرتے کیوں ہیں؟ جو اسلام میں کسی نے بھی نہ کیا، کہتے ہیں آجکل سائنس کا زمانہ ہے سائنس کے معنی ہیں عقل، آج کا انسان بڑا عقلمند انسان کہلاتا ہے حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا رہا ہے، عجیب عجیب باتیں لوگ ہم سے پوچھتے ہیں، رات کی نمازوں میں قراءت آواز سے

کیوں ہے؟ دن کی نمازوں میں آہستہ کیوں ہے؟ یہ تو عقل کا زمانہ ہے عقلمند انسان کوئی بھی کام کرتا ہے تو سوچ سمجھ کر کرتا ہے کہ اس میں حکمت کیا ہے۔ یہاں بھی کوئی معمولی کام نہیں ہو رہا اتنے بڑے مصارف، اس قدر محنت ومشقت، اتنے بڑے بڑے ہنگامے، آخر یہ اتنا بڑا کام کیوں کر رہے ہیں؟ سنئے! اگر بات سمجھ میں آگئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ ذریعہ ہدایت ہوگی اللہ تعالیٰ دلوں میں اتار دے۔

غور و فکر کے بعد میرے سمجھ میں اس کی تین وجہیں ہو سکتی ہیں:

آپ لوگ بھی سوچیں دوسروں سے بھی پوچھیں بلکہ ان ہنگامہ کرنے والوں سے دریافت کریں کوئی نئی بات ان کے علاوہ سامنے آئے تو مجھے بھی بتائیں، پہلی بات اس کو حکم شریعت سمجھ کر کرتے ہوں گے۔

بدعت میں کیا کیا مفاسد ہیں:

اللہ کے بندے! یہ کیسا حکم ہے جو نہ اللہ تعالیٰ نے بتایا، نہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا، نہ تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی سے اس کا کوئی ثبوت ہے، غرض اللہ کی شریعت میں تو اس کار خیر کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا اپنی طرف سے کہاں سے گھڑ لیا؟ یا تو یوں کہیں نعوذ باللہ! اس کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا ورنہ وہ ضرور حکم دیتے یا پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا مگر معاذ اللہ! جبریل علیہ السلام نے خیانت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا، یا جبریل علیہ السلام سے راستے میں شیطان نے چھین لیا، جبریل علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم آمین﴾

(۸۱ـ ۲۰،۲۱)

جبریل علیہ السلام بہت بڑی قوت والے ہیں، اور امین بھی ہیں، نہ شیطان کی

ڈکیتی کا احتمال ہو سکتا ہے اور نہ ہی خیانت کا۔

اور قرآن کریم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی رد وبدل اور قطع وبرید ممکن نہیں۔

﴿وانہ لکتاب عزیز لاتیہ الباطل من بین یدیہ ولامن خلفہ تنزیل من حکیم حمید﴾

(۴۱-۴۱، ۴۲)

"اور یہ بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے، یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔"

یا یوں کہیں گے کہ جبریل علیہ السلام نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو نہیں بتایا گویا معاذ اللہ دین پہنچانے میں خیانت کی، یا پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بتایا مگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہیں سمجھے، عمل نہیں کیا، غفلت برتی۔ آخر جس بات کا زمانۂ خیر القرون میں دور دور تک کوئی پتا نہیں ملتا اس کی توجیہ کیا کریں گے؟ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ کار ثواب نہیں اللہ تعالیٰ کی حکومت کے مقابلے میں اپنی متوازی حکومت بنانا ہے، جو بڑا بھیانک جرم ہے، کوئی شخص کسی کی حکومت میں رہتے ہوئے کیسا ہی جرم کرے ہو سکتا ہے کہ حکومت اسے معاف کر دے مگر اس حکومت میں رہتے ہوئے جو شخص اپنی حکومت قائم کر لے وہ "باغی" کہلاتا ہے اسے کسی صورت میں بھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ کسی کام کو ثواب یا گناہ بتانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، کیا اللہ تعالیٰ کو اس کار ثواب کا علم نہیں تھا؟ یاد رکھئے! بڑے سے بڑا گناہ بھی چھوٹی سے چھوٹی بدعت کے مقابلے میں چھوٹا ہے اور یہ تو بہت بڑی بدعت ہے، اللہ کے دین میں دخل اندازی ہے، چھوٹی سے

چھوٹی بدعت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ جہنم میں لیجانے والی ہے، کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص بدکاری کرتا ہے، چوری کرتا ہے، زنا کرتا ہے یا ان سے بڑھ کر قتل کا مرتکب ہوتا ہے یہ نافرمان تو ضرور ہے، مجرم ضرور ہے مگر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کے مقابلے میں اپنی متوازی حکومت قائم کررہا ہے، نافرمان ہے گناہ گار ہے اللہ تعالیٰ چاہیں تو معاف فرمادیں لیکن جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے تو نہیں بتایا مگر میں بتاتا ہوں میں اس میں ثواب سمجھتا ہوں، بتائیے یہ "میں" کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں لایا یا نہیں؟ خود کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا یا نہیں؟ یہ کتنی بڑی بات ہے، کیا یہ جرم قابل معافی ہے؟ آخرت میں ایسے لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر پانی پلارہے ہوں گے اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں گے کہ بدعتیوں کی ایک جماعت کو فرشتے مار مار کر جہنم کی طرف لیجارہے ہوں گے یہ لوگ حوض کوثر کی طرف آنا چاہیں گے مگر فرشتے مار مار کر ہٹائیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چہروں سے یہ سمجھیں گے کہ یہ مسلمان ہیں، فرشتوں سے فرمائیں گے ان کو کیوں نہیں آنے دیتے؟ فرشتے جواب دیں گے یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی تھی جن کی صورتیں مسلمانوں کی سی تھیں مگر سیرت مسلمانوں سے الگ۔ انہوں نے نئی نئی بدعات اپنی طرف سے گھڑیں، نئی نئی باتیں اللہ کے دین میں داخل کیں، ایسی ایسی باتیں جن کا نہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاتدری ما احدثوا بعدک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے کیا کیا بدعات ایجاد کیں، کیسے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنی متوازی حکومت قائم کی، یہ باغی ہیں، ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش بھی قبول نہیں ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: سحقا سحقا ان کو دور ہٹاؤ، دور

ہٹاؤ۔ بدعتی کا یہ انجام ہوگا۔ بدعت میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ بدعتی کو مرتے دم تک اتنے بڑے جرم سے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، جس جرم کو وہ کار ثواب سمجھتا ہے اس سے توبہ کیسے کرے گا۔

لمحۂ فکریہ:

یہاں ذرا ایک بات سمجھ لیں یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی صورت دیکھ کر باور فرمائیں گے کہ یہ میری امت کے لوگ ہیں۔ جن لوگوں کی صورت ہی مسلمان کی نہیں وہاں ان کا کیا ہوگا؟ ان کے بارے میں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح بھی ان کا اسلام قبول نہ فرمائیں گے کہ یہ کیسے مسلمان ہیں جن کی صورت بھی ہم سے مختلف ہے؟ یہ میلادی لوگ صورت تو مسلمان کی سی رکھتے ہیں مگر اندر سے کچھ اور ہیں مگر جن کی صورت ہی مسلمانوں کی نہیں ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر سے کیسے پلائیں گے؟ سیرت کی پہچان تو صورت سے ہوتی ہے۔ کسی کو بھیجا قربانی کا بکرا خریدنے وہ کتا پکڑ کے لے آیا، پوچھا جاتا ہے ارے! تمہیں تو بکرا خریدنے بھیجا تھا یہ کیا پکڑ لائے؟ وہ جواب دیتا ہے دیکھو "اس کے دو دانت، دو دانت" یہی کہا جائے گا کہ احمق اس کی تو بکرے کی صورت ہی نہیں دانتوں کو دیکھ کر کیا کریں، وہ دو ہوں خواہ آٹھ، پہلی چیز تو صورت ہے مگر وہ ایک ہی رٹ لگائے جاتا ہے دو دانت دو دانت، دانت دکھانے سے وہ کتا بکرا تھوڑا ہی بن جائے گا، مسلمان کی پہچان اسلامی صورت سے ہوتی ہے پہلے اس کی صورت کو دیکھا جائے گا اگر صورت مسلمانوں کی سی ہے تو دیکھیں گے کہ اندر سے بھی مسلمان ہے یا نہیں، جس کی صورت ہی مسلمان کی سی نہیں وہ تو وہیں چھٹ گیا یا اللہ! تو ہدایت عطاء فرما مسلمان کی صورت اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرما، جب صورت بن جائے تو اس صورت میں حقیقت بھی عطاء فرما۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

ایک بات یہ ہوگئی کہ وہ ان خرافات کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں یہ بتادیا کہ ثواب نہیں بلکہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مقابلہ ہے۔

دوسری وجہ وہ یہ بتاسکتے ہیں کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور محبت یہ کام کرارہی ہے، ہمارے دلوں میں محبت ہے اس لئے ہم ایسا کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے ان کے دل محبت سے خالی ہیں، اس بارے میں بھی یہ بات سوچنے کی ہے کہ کیا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں تھی؟ کیا تمہاری محبت صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت سے بڑھ کر ہے؟ کیا تم ان سے بڑے عاشق ہو؟ ان کی محبت پر تو اللہ تعالیٰ شہادت دے رہے ہیں کہ یہ ہمارے وہ بندے ہیں جنہیں ہماری محبت میں ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کمال حاصل ہے، ان کی محبت آپ لوگوں کی محبت کی بنسبت بدرجہا بڑھ کر تھی پھر کیا وجہ ہے تم سے محبت یہ کام کرا رہی ہے کہ جلسے کرو جلوس نکالو، نعرے لگاؤ، مٹھائیاں کھاؤ کھلاؤ، ان کی محبت نے یہ تمام کام کیوں نہ کرائے؟ اگر واقعی یہ کہا جائے کہ محبت ہی تم سے یہ کام کرا رہی ہے تو سچا محب ہمیشہ اپنے محبوب کا فرماں بردار ہوا کرتا ہے، سراپا اطاعت ہوا کرتا ہے، اس کی نافرمانی کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔

امتحان محبت میں کامیابی وناکامی کا معیار:

امتحان محبت میں کامیابی وناکامی کا معیار یہی ہے کہ دعوائے محبت اور محبت کے طریقے محبوب کی رضا کے مطابق ہیں یا خلاف؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار محبت کے جو طریقے ارشاد فرمائے اگر مسلمان اپنی محبت کو ان کے تابع رکھتا

ہے تو محبت کے دعوے میں بالکل سچا ہے اور اگر اظہار محبت کے لئے ایسے انوکھے طریقے ایجاد کرتا ہے جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے نہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اختیار فرمائے نہ ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار کئے تو یہ محب صادق نہیں، اپنے محبوب کا نافرمان ہے، محب کاذب ہے، ان لوگوں کے اظہار محبت کے تمام طریقے بھی اپنے ایجاد کردہ ہیں، معلوم ہوا یہ حقیقی محبت نہیں صرف دعوائے محبت ہے جو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے سراسر خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سراسر خلاف ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں ہمیں محبت مجبور کرتی ہے کہ یہ کام کرو، ذرا سوچئے! یہ عشاق سر سے لے کر ایڑی تک صورت وسیرت میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں آخر محبت آپ سے کھانے پینے دعوتیں اڑانے، نعرہ بازی اور جلسے جلوسوں کا کام تو کرواتی ہے دوسرے کام کیوں نہیں کرواتی؟ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ سنا چکا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تو انہوں نے عمر بھر بال نہیں منڈوائے اور ان محبت کے دعوے داروں کو ڈاڑھی کے بال رکھنے کی بھی توفیق نہیں، دعوئ محبت کا مگر زندگی سر تا پا شریعت کے خلاف، کھانے کمانے میں حلال وحرام کی تمیز نہیں، جائز ناجائز کی پوچھ نہیں، عورتوں میں شرعی پردہ نہیں، گانے بجانے کی لعنت، تصویر کی لعنت غرض زندگی کا ہر شعبہ معاصی میں اٹا ہوا، یہاں محبت کچھ نہیں کراتی اگر کراتی ہے تو صرف یہی کہ ہنگامے کرو نعرے لگاؤ اور دعوتیں اڑاؤ یہ عجیب محبت ہے۔ یاد رکھئے! محبت امتحان چاہتی ہے۔

﴿ولنبلونکم حتی نعلم المجاهدین منکم والصابرین الایة﴾ (۴۷-۳۱)

’’اور دشوار کاموں سے ہم ضرور سب کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم ظاہر طور پر بھی ان لوگوں کو معلوم کرلیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں‘‘۔

اور فرمایا:

﴿احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون﴾ (۲۹-۲)

"کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو قسم قسم کے مصائب سے آزمایا نہ جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ کھول کھول کر سنا رہے ہیں احسب الناس .... ارے لوگوں نے کیا سمجھ لیا کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے اور امتحان دیئے بغیر یہ دعویٰ قبول کرلیا جائے گا، ہرگز نہیں، اللہ کے لئے ذرا اس آیت کو سامنے رکھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیں یہ سورہ عنکبوت کی پہلی آیت ہے، قرآن پاک کھول کر پہلے دیکھ لیجئے اطمینان کر لیجئے پھر اپنا محاسبہ کیجئے، احسب الناس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا زبردست اعلان ہے لوگوں نے کیا خیال کیا کہ صرف امنا کہہ دینے سے امتحان دیئے بغیر ہم کامیاب ہو جائیں گے، یہ دعویٰ بغیر دلیل قبول ہو جائے گا ہرگز نہیں۔ یہ خیال ذہن سے نکال دیں، اللہ تعالیٰ پہلے تمہارا امتحان لیں گے، کسوٹی پر پرکھیں گے اور خوب رگڑ رگڑ کر پرکھیں گے، اس امتحان میں جو کامیاب نکلا اس کا ایمان قبول ہے ورنہ ہرگز قبول نہیں، یہ کھوکھلا دعویٰ منہ پر مار دیا جائے گا، اسے بار بار سوچئے احسب یہ کون کہہ رہا ہے۔ ایمان اور محبت کے دعوے تو سب میں ہیں مگر یہ ایمان زندگی میں نظر کہاں آرہا ہے؟ شرعی پردے کا نام نہیں، گانے بجانے کی لعنت گلی گلی میں برس رہی ہے، تصویروں کی لعنت قدم قدم پر موجود، نہ صورت مسلمان کی نہ سیرت مسلمان کی، نہ اندر نہ باہر آخر یہ اسلام ہے کہاں؟ یہ تو وہی قصہ ہو گیا کہ ایک شخص تصویر گودنے والے کے پاس گیا اور کہا میرے بازو پر شیر کی تصویر گود دیجئے۔ ایسا لوگ شاید اس لئے کرتے ہیں کہ تصویر بنانے سے ہم بھی شیر بن جائیں گے۔ اس نے تصویر گودنا شروع کی پہلی سوئی چبھوئی تو ذرا سا درد ہوا یہ چلا

اٹھا ٹھہر جاؤ ٹھہر جاؤ کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا یہ پاؤں بنا رہا ہوں، ارے! شیر لنگڑا بھی تو ہوا کرتا ہے، پاؤں کے بغیر شیر بنا دو، اس نے پھر سوئی چبھوئی، ارے ٹھہر جاؤ ٹھہر جاؤ، یہ کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا دم، ارے! شیر لنڈورا بھی تو ہوتا ہے بغیر دم کے ہی بنا دو۔ اس نے پھر سوئی چبھوئی تو چیخا ارے! ٹھہرو ذرا ٹھہرو یہ کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا کان، ارے! شیر بوچا بھی تو ہوتا ہے بغیر کان کے ہی بنا دو، اس مصور نے جھنجھلا کر کہا اللہ کے بندے! ایسا شیر جس کے پاؤں نہ دم نہ کان ایسا شیر تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیا جا کر گھر میں بیٹھ، سوئی چبھوانے کی ہمت نہیں اور شوق آگیا شیر بنوانے کا۔ آج کا مسلمان بھی سبحان اللہ! وہی شیر بنوانے والا مسلمان ہے، زبان سے بار بار یہی رٹ کہ ہم مسلمان ہیں، مسلمان بھی ایسے ویسے نہیں محب اور عاشق مسلمان، ان سے ذرا پوچھیں مسلمان ہو تو مسلمان کی صورت کہاں گئی؟ ارے! تو بہت مشکل کام ہے یہ کام ہم سے نہیں ہونے کا ویسے ہیں مسلمان، اچھا اگر مسلمان ہو تو ناجائز ذریعہ معاش کیوں نہیں چھوڑتے؟ مسلمان حرام تو نہیں کھاتا، اجی! بھوکے مر جائیں گے یہ باتیں چھوڑیئے ویسے ہیں مسلمان، اچھا شرعی پردہ ہے تمہارے گھر؟ مسلمان بے غیرت اور دیوث تو نہیں ہوتا، ارے! پردہ کیا تو گھٹ کر مر جائیں گے ایسا اسلام نہیں چاہئے ویسے ہیں مسلمان۔ اس پر ایک عورت کا قصہ بتاتا ہوں، اس کے شوہر نے خود بتایا کہ میں نے بیوی کو ترجمہ قرآن پڑھانا شروع کیا، شوق سے پڑھتی رہی پڑھتی رہی اور جہاں پہنچی سورۂ نور پر جس میں پردے کے احکام ہیں تو چلا اٹھی اور قرآن بند کر دیا، یہ قرآن ہمیں نہیں چاہئے، قرآن ہمیں نہیں چاہئے، وہ تو مرتے دم تک سورۂ نور کو نہیں بھولے گی شوہر نے بہت سمجھایا کہ ترجمہ اتنا سارا پڑھ گئی آگے بھی پڑھ لے، قرآن مجید ختم کر لے، توفیق ہو جائے تو عمل کر لینا ورنہ پڑھنے میں کیا حرج ہے؟ مگر اس کا ایک ہی جواب کہ نہیں یہ قرآن نہیں چاہئے یہ قرآن تو مسلمان کو صرف خوانی کرنے، لڈو کھانے اور چائے پینے کے لئے چاہئے، پردے کے لئے یہ قرآن تھوڑا ہی گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس مسلمان سے پوچھئے تمہارا اسلام

ہے کہاں؟ سر سے دیکھنا شروع کرتے ہیں ایڑی تک کوئی بات اسلام کی نظر نہیں آتی، آخر یہ اسلام کہاں چھپا رکھا ہے، صورت مسلمان کی نہ سیرت مسلمان کی مگر دعوئ اسلام کا عشق رسول کا، اور اسلام بھی وہ چاہئے جسے یہ خود پسند کرے۔ قرآن کی وہ آیات، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جو اسے اچھی لگتی ہیں مزے دار معلوم ہوتی ہیں، خوب یاد رکھتا ہے۔

اتباع کے بغیر محبت کے دعوے ہرگز قبول نہیں، ارشاد ہے:

﴿قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم ۞﴾

(۳-۳۱)

”آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔“

ایک حدیث کی تشریح:

کسی نے فون پر کہا: ”حدیث میں ہے کہ آخر زمانے میں اسلام کے اگر دسویں حصے پر بھی عمل کرلیا تو نجات ہوجائے گی“ میں نے کہا یہ حدیث پڑھ پڑھ کر لوگ بغلیں بجا رہے ہوں گے کہ بس کامیاب ہوگئے چلے گئے جنت میں، دسویں حصے پر تو عمل ہو ہی رہا ہے، اب کیا ضرورت ہے گناہ چھوڑنے کی، زیادہ محنت کرنے کی، شاید سب مسلمانوں نے یہ حدیث یاد کر رکھی ہوگی اور خوب خوشیاں مناتے ہوں گے اسے پڑھ پڑھ کر، سن لیجئے کان کھول کر کہ اس حدیث میں جس اسلام کے دسویں حصے کا ذکر ہے یہ وہ اسلام نہیں جسے آپ اسلام سمجھتے ہیں بلکہ وہ اسلام مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے امت پر پیش کیا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر عمل کر کے دکھایا وہ کامل واکمل دین مراد ہے، ظاہر ہے آج کے کسی کامل متقی پرہیزگار مسلمان کا عمل بھی اس اسلام کے دسویں حصے پر نہیں عوام کی بات تو چھوڑیئے۔ یہ سوچ سوچ کر بغلیں نہ بجائیں کہ ہم دسویں حصے پر عمل پیرا ہیں لہٰذا جنت ہاتھ سے کہیں نہیں جاتی یہ خیال ذہن سے نکال دیجئے، دسویں حصے پر بھی عمل کرنا کوئی آسان بات نہیں، چار سو سال پہلے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آج کوئی صحابی دنیا میں زندہ ہو کر آجائے تو وہ آج کے حالات دیکھ کر کہے گا کہ دنیا میں اس وقت کوئی بھی مسلمان نہیں، سب کافر ہیں، کسی میں ایمان کا ذرہ نہیں اور دنیا والے یہ کہیں گے کہ یہ مکمل طور پر پاگل ہے، اس میں عقل کا ذرہ بھی نہیں، یہ آج سے چار سو سال پہلے کی بات ہے اس وقت کا اندازہ خود کر لیجئے ہر دن تباہی کی طرف جا رہا ہے، ہر رات تنزل میں جا رہی ہے۔

یہ عشاق کہتے ہیں کہ محبت ہم سے یہ سب کچھ کروا رہی ہے، محبت کی سوئی کہیں چبھونے تو دیجئے ذرا دکھایئے تو سہی یہ اسلام ہے کہاں، محبت کا آپ نے کون سا امتحان دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیاب قرار دے دیا اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو مجھے نبض دکھاوے دو منٹ میں پتا چل جائے گا کہ کتنے پانی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فکر آخرت عطاء فرمائیں دستگیری فرمائیں، اس کی دستگیری کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ دو باتیں ہو گئیں۔

تیسری بات یہ ہو سکتی ہے کہ شاید کوئی کہنے والا کہہ دے ہمیں محبت ہے تو نہیں مگر محبت پیدا کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نقل اتارتے ہیں، شاید اس طریقے سے محبت پیدا ہو جائے۔ اس کے بھی دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ اگر آپ واقعۃً محبت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو پھر محبت کے وہ نسخے کیوں نہیں استعمال کرتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان پر عمل کیا اور اپنے

دلوں کو محبت سے لبریز کیا، اب بھی جو مسلمان سچی محبت پیدا کرنا چاہے تو اس کے لئے وہی نسخے ہیں، الحمدللہ! آپ سنتے رہتے ہیں یہاں بھی محبت کے نسخے بیان ہوتے رہتے ہیں بے شمار لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچا محبت پیدا ہو گئی جس سے گناہ چھوٹ گئے، زندگیاں بن گئیں، مکمل طور پر نہ سہی کچھ نہ کچھ فائدہ تو ہر آنے والا حاصل کر ہی جاتا ہے، بہت سوں کی صورت مسلمان کی سی بن گئی سیرت بھی ان شاء اللہ تعالیٰ بن جائے گی۔ تو اپنی طرف سے محبت کے نئے نسخے ایجاد کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرب نسخے بیان فرمادیئے، محبت پیدا کرنا چاہتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑ کر اپنا اختیار کر رہے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ واقعی محبت پیدا کرنے کے لئے نقل اتار رہے ہیں یہ نئے طریقے آزما رہے ہیں تو ہمیں کوئی ایک شخص ایسا لا کر دکھا دیجئے جس نے ان جلسے جلوسوں کی وجہ سے نعروں اور ہنگاموں کی وجہ سے گناہوں سے توبہ کرلی ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے باز آگیا ہو، نسخہ تو جب استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کا اثر بھی ہو اس سے فائدہ بھی پہنچے، ان جلسے جلوسوں کے نتیجے میں، میلادوں کے نتیجے میں، کوئی ایک شخص ہی ایسا دکھا دیں جس نے سالہا سال کے بعد ان کے ذریعے کوئی گناہ چھوڑا ہو، صرف ایک شخص دکھایئے جس نے صرف ایک گناہ ہی چھوڑ دیا ہو، ہر گز نہیں دکھا سکتے، ایسے تو بہت ملیں گے جن کے گناہوں میں اضافہ ہو گیا ہو ہنگامے کر کر کے نافرمانیوں میں اضافہ ہو گیا ہو مگر ایسا کوئی ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا جو کہے کہ ان ہنگاموں سے میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ مجھ سے فلاں گناہ چھوٹ گیا، یہ تین وجہیں ہو گئیں کہ ثواب سمجھ کر کرتے ہیں، محبت کراتی ہے یا محبت پیدا کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں، مزید تحقیق کے نتیجے میں اور کوئی وجہ کسی کے سامنے آئے تو مجھے بتائے میں منتظر ہوں۔

میں نے جب غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ یہ تینوں وجہیں نہیں، تینوں دعوے

غلط ہیں پھر آخر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس کی بھی تین وجہیں سمجھ میں آتی ہیں:

ایک تو یہ کہ شیطان دین کا مقابلہ کرا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کو تسلیم کرلیا تو مصیبت میں پڑ جاؤ گے، پردہ کرنا پڑے گا، بہنوئی، نندوئی، چچازاد، خالہ زاد اور سارے زاد چھوٹ جائیں گے، ساری دنیا ہی چھوٹ جائے گی اس لئے آسان سی بات یہ ہے کہ اپنی حکومت بنالو۔

ایک سیاسی لیڈر نے ایک مرتبہ شور مچایا کہ ملک میں شکر بہت گراں ہوگئی ہے مقصد یہ تھا کہ ہمیں اقتدار مل جائے تو شکر سستی کردیں گے، شکر سستی کرنے کا نسخہ یہ ہے کہ ہمیں ووٹ دو، آج کے مسلمان کو شیطان نے یہ سمجھا دیا کہ اللہ کی حکومت تو مشکل ہے اس کو تسلیم کرلیا تو مشکل میں پڑ جاؤ گے، اپنی ہی حکومت بنالو، لگاؤ نعرے نکالو جلوس کھاؤ مٹھائیاں اور بن جاؤ پکے مسلمان عاشق رسول۔

دوسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خود کو دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ ویسے تو مسلمان بننا بہت مشکل کام ہے نہ صورت مسلمان کی نہ سیرت مسلمان کی پھر کیسے ظاہر کریں کہ ہم بھی مسلمان ہیں، ارے لگاؤ نعرے کرو ہنگامے خوب نام پیدا کرو بس بن گئے مسلمان۔ عملاً مسلمان نہیں بنتے تو چلئے یوں ہی سہی۔

تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا چاہتے ہیں منافقین کا کردار ادا کررہے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یخادعون اللہ والذین امنوا﴾ (۲-۹)

”چالبازی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لاچکے ہیں۔“

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کی کوشش کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا کیا اعلان ہے:

﴿یخادعون اللہ وھو خادعھم﴾ (۴ ـ ۱۴۲)

"چالبازی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

﴿ومکروا مکرا ومکرنا مکرا وھم لا یشعرون﴾

(۲۷ـ۵۰)

"اور انہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔"

اور فرمایا:

﴿ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین﴾

(۳ ـ ۵۴)

"اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی، اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں۔"

آج کل کے مسلمان کی حالت:

کچھ لوگ سفر میں جارہے تھے کھانے کا وقت آیا کہنے لگے کام تقسیم کرلو، کوئی سوختے کے لئے لکڑی لائے کوئی پانی لائے اور کوئی آٹا گوندھے کوئی سالن پکالے، ایک سے کہا آپ جلانے کے لئے لکڑیاں لے آئیں، تو کہنے لگا یہ کام مجھ سے نہیں ہو پاتا، کہیں کانٹا چبھ جائے گا، اچھا آٹا ہی گوندھ لو، کہنے لگا یہ بھی نہیں جانتا پانی زیادہ پڑجائے گا، اچھا سالن ہی پکالو یہ بھی نہیں جانتا جل جائے گا، اچھا روٹی پکالو کہنے لگا یہ تو بہت مشکل کام ہے جل کر مرجاؤں گا، جب سب کچھ تیار ہوگیا تو ساتھیوں نے کہا

اچھا کھا تو لو، کہنے لگا یار تم بھی کہو گے یہ ایسا نالائق ہے کسی کام کا نہیں دوسرے کام تو کر نہ سکا چلو یہ کام تو کر ہی لوں۔

آج یہی کیفیت مسلمان کی ہے اور تو دین کی کوئی بات ہے نہیں، نہ مسلمان کی صورت، نہ شرعی پردہ، نہ حلال کی کمائی، نہ اور کوئی عمل، چلو یہ کھانے پینے اور نعرے بازی کا دھندا تو اختیار کر ہی لو۔

دعاء

یا اللہ! تو ہم سب کو ہدایت عطاء فرما، سچی محبت عطاء فرما، محبت کے صحیح نسخے استعمال کرنے کی توفیق عطا فرما۔

وصل اللھم وبارک وسلم علی عبدک ورسولک
محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین
والحمد للہ رب العالمین